RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

مال حرام اور مسئلہ تملیک و تصدق: شرعی و تحقیقی جائزہ

A Shariah and Research Analysis of Maal-e-Haraam, its Donation and the problem of Tamleek

AUTHORS

1. *Dr. Muhammad Mushtaq Ahmed, Assistant Professor, Islamic and Arbic Studies, University of Sawat, KPK*
   Email: dr.mmushtaqahmed@gmail.com
   orcid id: https://orcid.org/0000-0001-7360-1892

How to Cite: Dr. Muhammad Mushtaq Ahmed. 2021. “URDU: حرام اور مسئلہ تملیک و تصدق: شرعی و تحقیقی جائزہ: A Shariah and Research Analysis of Maal-E-Haraam, Its Donation and the Problem of Tamleek”. *Rahatulquloob* 5 (1), 01-12. https://doi.org/10.51411/rahat.5.1.2021/133.

URL: http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/133
Vol. 5, No.1 || January–June 2021 || URDU-Page. 01-12
Published online: 04-01-2021

QR. Code

مال حرام اور مسئلہ تملیک و تصدق: شرعی و تحقیقی جائزہ

A Shariah and Research Analysis of Maal-e-Haraam, its Donation and the problem of Tamleek

محمد مشتاق احمد[1]

ABSTRACT:

Majority of sharia scholars are of the opinion that in voluntary charity (sadaqa naafila) transfer of ownership and possession of the needy and poor on the charity is not stipulated, while in obligatory charity (sadaqa waajiba) like zakat, fidya of prayer and fasting it is considered that (tamleek ul faqeer) transfer of ownership and possession of the needy is compulsory and it could not be spent in social welfare activities. Keeping in view the condition of "Tamleek ul faqeer", anything which comes in the ownership of a person from invalid sources (maal e haraam) also falls in this category, as it is also obligatory to be given in charity. However the question arises whether the condition of transfer of ownership and possession of the needy should be applied in maal-e-haraam like Sadaqaat-e-wajiba or it is allowed to spend the amount in social welfare activities without possession. In this paper, after presenting the viewpoints of classical scholars regarding different types of maal, maal-e-haram and where this kind of wealth shall be spent, the issue of possession is also examined in obligatory charity and maal-e-haraam. It is suggested that categories of obligatory charity be differentiated in terms of possession, as the nature and sources of each kind is different and the condition of ownership and possession may not be applied on the charity of invalid income and this kind of wealth may be allowed to be given in social welfare activities without tamleek ul faqeer.

Key words: Obligatory Charity, Sharia, Tamleek, Invalid income.

عربی لغت کے اعتبار سے مال کا مادہ "م،ی،ل" بھی ہو سکتا ہے اور "م،و،ل" بھی ہو سکتا ہے. اگر مادہ "م،ی،ل" ہو تو اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسکی طرف انسان کی طبیعت مائل ہو اور اسی کو بعض فقہاء نے شیئ مرغوب سے تعبیر بھی کیا ہے[1]. دوسرا احتمال یہ کہ اسکا مادہ "م،و،ل" ہو تو اس صورت میں اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہو گا جو ذخیرہ ہو سکیں اور ان سے سرمایہ کاری کی جا سکے. پہلے مادہ کے اعتبار سے مال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو جائے گا اور دوسرے مادہ کے اعتبار سے مال کے مصداق میں تنگی رہے گی[2]۔

فقہاء احناف کے ہاں مال کی تعریف:

امام سرخسی مال کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: والمال اسم لما ہو مخلوق لاقامة مصالحنا به باعتبار التمول یعنی مال وہ ہے جسکو سرمایہ کاری کے اعتبار سے فائدہ کے حصول کے لیے بنایا گیا ہو[3]۔ جبکہ علامہ ابن العابدین فرماتے ہیں: ہو ما یمیل الیه الطبع، و یمکن ادخارہ لوقت الحاجة کہ مال وہ شیئ ہے جسکی جانب طبیعت مائل ہو اور اسکو ضرورت کے وقت کیلیے جمع بھی کیا جا سکتا ہو[4]۔

مالکیہ کے ہاں مال کی تعریف:

علامہ شاطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ مال کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ما يقع عليه الملك ويستبد به المالك عن غيره مال وہ ہے جسکا انسان مالک ہو اور اور ملکیت میں اس کو تخصیص ہو[5]۔

شوافع کے ہاں مال کی تعریف:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ مال کی تعریف میں لکھتے ہیں: ان اسم المال لا يقع الاعلىٰ ماله قيمة يباع بها وتلزم متلفه وان قلت له مال وہ شیئ ہے جسکی کوئی قیمت بازار میں موجود ہو اور اسکو بازار میں بیچا جاسکے اس قیمت پر. اور اس شیئ کو ضائع کرنے کی صورت میں اسکا تاوان لازم ہو چاہے وہ قیمت کتنی ہی کم کیوں نہ ہو[6].

حنابلہ کے ہاں مال کی تعریف:

علامہ منصور البہوتی حنبلی مال کی تعریف میں رقم طراز ہیں: ما يباح نفعه مطلقا واقتناءه یعنی جس کا نفع اور اس کو ذخیرہ کرنا مباح ہو[7]

ان تمام تعریفات میں کم از کم ایک بات مشترک ہے کہ مال کا اطلاق اس چیز پر ہو گا جس کا تمول ہو سکے اور لوگوں کے ہاں اس چیز کی (value) ہو۔ تاہم شریعت اسلامیہ کا مطمع نظر صرف کسب مال اور حصول مال نہیں بلکہ حلال مال کا حصول ہے جس کا بارہا تعلیمات اسلام میں بارہا تذکرہ ہوا ہے۔ باری تعالی کا ارشاد ہے۔"يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم واشكروا لله "[8]۔ایک اور جگہ ارشاد ہے :"فكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا واشكروا لله"۔

حلال مال کی ترغیب کے ساتھ ساتھ مال حرام سے اجتناب کا بھی جابجا حکم فرمایا گیا ہے۔"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم "[9]۔اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:"ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون [10]"۔

اس کے علاوہ بھی شریعت اسلامیہ میں جابجا اس حوالے سے ترغیب و ترہیب پر مبنی نصوص ملتے ہیں۔اسی لئے مال کی تقسیم حرمت اور اباحت کے حوالے سے بھی کی جاتی ہے۔مال مباح وہ مال کہلاتا ہے جس سے شرعا استفادہ کرنا مباح ہو[11]۔ جبکہ اس مقابلے میں حرام وہ ہے کہ جس سے استفادہ کرنا غیر مباح اور ممنوع ہو[12]۔"علامہ سلیمان الاشقر مال حرام کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:" المال الحرام: ما لا يحل لمن هو بيده الانتفاء به"یعنی جس کے قبضہ میں ایسی چیز ہو جس سے استفادہ کرنا اس کے لئے حلال نہ ہو[13].

مال حرام کی اقسام

اگرچہ مال حرام کی بہت ساری اقسام بیان کی گئی ہیں تاہم موضوع کے لحاظ سے حلال اور حرام کی تقسیم سبب کے حوالے سے زیادہ مناسب ہے۔اس لئے فقہاء کرام نے سبب کے لحاظ سے مال حرام کی دو اقسام کی ذکر کی ہیں۔

1: **حرام لذاتہ:** وہ مال کہلاتا ہے جو اپنی ذات کے لحاظ سے حرام ہو اور وصف کے لحاظ سے بھی اس کی حرمت ہو جیسے کہ مردار، خون وغیرہ۔ علامہ قرافیؒ رقم طراز ہیں: وہو ما كان حراما في اصله ووصفه[14] یعنی جو شیئ اپنی اصل اور وصف دونوں میں حرام ہو وہ حرام لذاتہ ہے۔

2. **حرام لغیرہ:** جو شئ اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہ ہو بلکہ کسی خارجی وصف کی وجہ سے اس میں حرمت پیدا ہوئی ہو تو وہ حرام لغیرہ کہلاتا ہے جیسے دوسرے کا مال بغیر اجازت کے لینا یا چوری کا مال وغیرہ تو ان صورتوں میں اگرچہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے حلال ہوگا لیکن کسی اور کی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کے غیر شرعی استعمال کو حرام قرار دیا جاتا ہے[15]۔ اس طرح کے مال کو فقہاء کرام نے پھر مزید مختلف صورتوں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً یا تو وہ مال بغیر مالک کے رضامندی کے حاصل کیا گیا ہوگا جیسے چوری، رشوت، غصب وغیرہا یا مالک کی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہوگا۔ جیسے شراب، جوئے وغیرہ سے حاصل کیا گیا مال[16]۔

صدقہ، اقسام صدقہ اور تملیک کا حکم:

مال کی تعریف اور اقسام ذکر کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے اقسام اور تملیک کے حکم کے حوالے سے فقہاء کرام کی آراء کا ذکر کیا جائے۔

صدقہ کی لغوی تعریف:

صدقہ صدق سے ہے جسکے معنٰی سچائی اور دوستی کے ہیں یہ لفظ حرکات کے فرق کے ساتھ مختلف طریقوں سے منقول ہے[17]۔ جبکہ اسی سے صدقہ کا لفظ نکلا ہے جو اللہ تبارک وتعالی کی قربت کی نیت سے خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے مال میں سے جو باری تعالی کی قربت کی خاطر کچھ نکال کر دے دے اس کو صدقہ کہا جاتا ہے[18]۔ علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ صدقہ کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: العطیہ التی یبتغی بہ الثواب عند اللہ تعالی[19]۔ صدقہ وہ عطیہ ہے جس کے ذریعہ باری تعالی سے ثواب کا حصول مطلوب ہو۔

صدقہ کی اقسام:　　صدقات واجبہ. صدقات نافلہ

1. **صدقات واجبہ:**　　وہ عطیات ہیں جو شریعت نے مخصوص شرائط کیساتھ لازم قرار دیے ہیں جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، کفارات، نذر وغیرہ

2. **صدقات نافلہ:**　　وہ صدقات اور عطیات ہیں جو شریعت کی طرف سے لازم تو نہیں البتہ انکی ترغیب دی گئی ہے جیسے کسی محتاج کی مدد کرنا، مساجد کی تعمیر کروانا، کنواں کھدوانا[20]۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے[21]، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہوکر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے 'کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دیدینا بھی صدقہ ہے[22]۔ صدقات نافلہ کو کار خیر میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اس میں نہ عطیہ دینے والے کا صاحب نصاب ہونا ضرری ہے اور نہ ہی عطیہ لینے والے کے لیے فقیر یا مسکین ہونا ضروری ہے اسی طرح صدقات نافلہ کو، مساجد مدارس اور رفاہ عامہ کے امور میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بخلاف صدقات واجبہ کے کہ جن کے بارے میں فقہائے جمہور رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ انکو صرف ایسی جگہوں پر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے جہاں پر تملیک کی شرط پائی جاسکتی ہو۔ اگرچہ اس حوالے سے حضرات احناف اور مالکیہ رحمہم اللہ کی ایک روایت میں کفارہ یمین میں اگر کوئی

حانث ہو کر فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کی صورت کو اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں تملیک اور بغیر تملیک کے کھانا کھلانے کے جواز کی بھی گنجائش ہے[23]۔ اسی طرح روزوں کے فدئے کے بارے میں بھی احناف رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے کہ وہاں پر بھی کھانا کھلانے کی صورت یعنی اباحت کی گنجائش دی گئی ہے[24] جبکہ صدقہ فطر میں تملیک کی شرط برقرار رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہاں پر اتیان، ایتاء اور ادا کا لفظ آیا ہے جبکہ جہاں جہاں اطعام اور طعام کا لفظ آیا ہے وہاں پر تملیک کے ساتھ ساتھ اباحت کی بھی گنجائش دی گئی ہے[25]۔

تملیک کیا ہے؟　　تملیک مُلک کا مصدر ہے باب تفعیل سے آتا ہے، جس کے معنی ہیں کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینا۔ کسی چیز کا مکمل طور پر مالک بنا دینے کو تملیک کہتے ہیں، تملیک "ملکه الشئی" کا مصدر ہے جسکا معنٰی ہے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔[26]

تملیک کے وجوب کے متعلق مفسرین کی آراء (مسئلہ تملیک اور صدقات واجبہ)

صدقات واجبہ میں سے زکوۃ کے حوالے سے جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی[27]، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہونچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی[28]۔

علامہ شیرازی الشافعیؒ فرماتے ہیں: يجب صرف جميع الصدقات الیٰ ثمانية اصناف ------ والدليل عليه قوله تعالیٰ "انما الصدقات للفقراء ------ فاضاف جميع الصدقات اليهم بلام التمليك[29] تمام صدقات کو آٹھ اصناف پر خرچ کرنا واجب ہے ... اور اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "انما الصدقات للفقراء" اس آیت میں صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ اصناف کی طرف کی گئی ہے۔ فتاویٰ ھندیہ میں ہے: اذا دفع الزكوٰة الی الفقير لا يتم مالم يقبضها او يقبضها الفقير من له ولاية عليه[30] فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہو گی جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے یا اسکی جانب سے ایسا شخص قبضہ کرلے جس کو فقیر پر ولایت حاصل ہو۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: انما من صيغ القصر و تعريف الصدقات للجنس ای جنس هذه الصدقات مقصود علیٰ هذه الاصناف المذكورة لا تجاوزها بل هی لهم لا لغيرهم.[31] کلمہ انما حصر کے صیغوں میں سے ہے اور لفظ الصدقات کا معرف باللام لانا جنس کیلیے ہے یعنی ان تمام صدقات واجبہ کی پوری جنس مقصود ہے کہ زکوٰۃ واجبہ صرف ان مذکورین کیلئے ہے کسی اور کیلئے نہیں ہے۔ اس عبارت میں علامہ شوکانی یہ فرمارہے ہیں کہ للفقراء میں لام تملیک ہے تو لہٰذا ان مذکورہ مصارف کو مالک بنانا لازم ہے کہ وہ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں اس رقم کو خرچ کریں ۔ ان عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کی ادئیگی کیلیے تملیک کا ہونا ضروری ہے اور تملیک کے بغیر اس کی ادئیگی نہیں ہو گی۔

زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات واجبہ کے حوالے سے حضرات احناف اور مالکیہ رحمہم اللہ کی ایک روایت میں کفارہ یمین میں اگر کوئی حانث ہو کر فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کی صورت کو اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں تملیک اور بغیر تملیک کے کھانا کھلانے کے جواز کی

بھی گنجائش ہے[32]۔ اسی طرح روزوں کے فدئے کے بارے میں بھی احناف رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے کہ وہاں پر بھی کھانا کھلانے کی صورت یعنی اباحت کی گنجائش دی گئی ہے[33] جبکہ صدقہ فطر میں تملیک کی شرط برقرار رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہاں پر اتیان، ایتاء اور ادا کا لفظ آیا ہے جبکہ جہاں جہاں اطعام اور طعام کا لفظ آیا ہے وہاں پر تملیک کے ساتھ ساتھ اباحت کی بھی گنجائش دی گئی ہے[34]۔

مال حرام کا مصرف:

اگر کسی کی ملکیت میں حرام مال آجائے اور اس کے مالک کا علم ہو تو اس کیلئے واجب ہے کہ اصل مالک کو یہ مال لوٹا دے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ان سبیل التوبة مما بید المسلم من المال الحرام ان کانت من ربا ان یردها الی من اربی الیه و یطلبه ان لم یکن حاضرا فان ائس من وجوده فلیتصدق بذلك عنه وان اخذها بظلم فلیفعل كذلك فی امر من ظلمه[35]: مسلمان کے قبضہ میں اگر حرام مال آجائے تو اگر ربا کا مال ہے تو جس شخص سے وہ مال لیا گیا ہے اس کو واپس کر دے اور اگر وہ شخص موجود نہ ہو تو اس کو تلاش کرے اگر تلاش کرنے سے بھی نہ ملے اور مایوس ہو جائے تو اس شخص کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اسی طرح اگر کسی پر ظلم کر کے مال لیا ہو تو اسی طریقہ سے توبہ کرے۔ علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں: ان من شرط التوبة ان ترد الظلامة الی اصحابها، فان كان ذالك فی المال وجب اداوه عینا او دینا او ما دام مقدورا علیه فان كان صاحبه قد مات دفع الی ورثته وان لم یکن فالی الحاكم والا تصدق به علی الفقراء[36]۔ مال حرام سے توبہ کرنے کی شرط یہی ہے کہ ظلم کر کے جو مال لیا ہو اس کو اصل مالکوں کو لوٹا دے جب تک وہ لوٹائے جانے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر وہ شخص فوت ہو گیا ہو تو اس کے ورثاء کو لوٹا دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حاکم وقت کو دے دے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر فقراء پر صدقہ کر دے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: اذا كان معه مال حرام واراد التوبة والبراءة منه، فان كان له مالك معین فانه یصرفه الیه او الی وكیله فان كان میتا وجب دفعه الی ورثته[37]۔ اگر کسی کے پاس حرام کا مال ہو اور توبہ کرنا چاہے تو اگر اس کو اصل مالک کا پتہ ہو تو اس کو لوٹا دے یا اس کے وکیل کو دے دے۔ اگر وہ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ورثہ کو دے دے۔

علماء احناف کی بھی یہی رایے ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کے اصل مالک کو لوٹا دے۔ عالمگیریہ میں نقل کیا گیا ہے۔ عن الامام محمدؒ انه اذا كان مهدی مكرها فی الاهداء ینبغی ان یرد الهدیه علی المهدی ان قدر علیه فان لم یقدر علیه یضعها فی بیت المال ویکتبا علیها قصته وكان حكمه حكم اللقطه[38]۔ اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں اگر اصل مالک معلوم نہ ہو یا اس تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو یہ مال یا سامان لقطہ کے حکم میں ہو گا، یہی قول علامہ ابن نجیم المصری الحنفی سے بھی منقول ہے۔[39]۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو وراثت میں بھی مال حرام ملے اور اس کو اصل مالک کا علم ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اصل مالک تک اس کو پہنچائے[40]۔

یہ تفصیل اس وقت ہے جب حرام مال کسی ایسے کام کا عوض نہ ہو جو بذات خود حرام ہو۔ اب اگر یہ حرام مال کسی حرام کام کے بدلے میں لیا گیا ہو مثلاً گانا گانے، شراب بیچنے کی قیمت، یا جھوٹی گواہی کے بدلے میں لی گئی رقم ہو تو اس صورت میں بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کو بھی اصل مالک کی طرف لوٹانا لازم ہے۔ تاہم اکثر علماء و محققین اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے رائے یہ ہے کہ اس صورت میں یہ مال فقراء و مساکین پر صدقہ کیا جائے اور اصل مالک کو نہ لوٹایا جائے اگرچہ اس کا مالک معلوم ہو علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: مَن قَبَضَ ما لیس له

قَبْضُهُ شرعًا ثُمَّ أرادَ التخلصَ منه، فإن كان المقبوضُ قد أُخِذَ بغيرِ رضاصاحِبِه، ولا استَوفَى عِوَضَهُ؛ رَدَّهُ عليه، فإن تَعَذَّرَ رَدُّهُ عليه قَضَى به دينًا يَعلَمُهُ عليه، فإن تَعَذَّرَ ذلك رَدَّه إلى وَرَثَتِهِ، فإن تعذَّر ذلك تَصَدَّق به عنه، فإنِ اختارَ صاحبُ الحقِّ ثوابَه يومَ القيامَةِ كان له، وإن أَبَى إلا أن يأخذَ مِن حسناتِ القابضِ استَوفَى منه نظيرَ مالِهِ، وكان ثوابُ الصَّدَقةِ للمُتَصدِّق بها؛ كما ثَبَتَ عن الصحابةِ رضِيَ اللهُ عنهم وإن كان المقبوضُ برضا الدَّافعِ، وقد استوفَى عِوَضَه المحرَّم؛ كَمَنْ عَاوَضَ عَلَى خمرٍ أو خنزيرٍ، أو عَلَى زنًا أو فاحشةٍ، فهذا لا يجبُ ردُّ العِوَضِ عَلَى الدافعِ؛ لأنَّه أَخْرَجَه باختيارِهِ، واستوفَى عِوَضَه المحرَّمَ، فلا يجوزُ أن يُجْمَعَ له بين العِوَضِ والمُعَوَّضِ، فإنَّ في ذلك إعانةً له عَلَى الإثمِ والعُدْوانِ، وتيسير أصحابِ المعاصِي عليه، وماذا يُرِيدُ الزَّانِي وفاعلُ الفاحشةِ إذا عَلِمَ أنَّه ينال غرضه، ويسترد ماله؟ فهذا مما تُصانُ الشريعةُ عن الإتيانِ به، ولا يُسَوَّغُ القولُ به ... "لكن لا يَطِيبُ للقابضِ أكلُهُ، بل هو خبيثٌ؛ كما حَكَمَ عليه رسولُ اللهِ ﷺ ولكن خبثه لخُبْثِ مكسبِهِ، لا لظلمِ مَن أخذ منه، فطريقُ التَّخَلُّصِ منه، وتمامُ التوبة بالصدقة به، فإن كان محتاجًا إليه فله أن يأخُذَ قدرَ حاجَتِه، ويَتَصَدَّقَ بالباقِي، فهذا حكمُ كلِّ كسبٍ خبيثٍ لخُبْثِ عوضه عينًا كان أو منفعة[41]. کہ بنا رضامندی کے کسی کا مال لیا ہو تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کا قرضہ ہی واپس کر دے یا پھر ورثہ کو واپس کر دے یا پھر اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اور اگر رضامندی سے حرام مال اس کے قبضہ میں آیا ہو جو کسی حرام کام کا عوض جیسے، زناکاری، شراب وغیرہ کے بدلے میں کچھ رقم وصول کی ہو تو واپس نہ کرے کیونکہ یہ گویا گناہ میں ایک قسم کی اعانت ہے۔ لیکن خود اس کیلئے بھی اس حرام مال کا لینا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ خبیث مال ہے۔ پس اس سے خلاصی اور توبہ کا طریقہ یہی ہے کہ اگر یہ خود محتاج ہے تو بقدر حاجت اس سے لے سکتا ہے اور باقی مال صدقہ کر دے اور یہ ان تمام اموال کا حکم ہے جو حرام چیز یا حرام خدمات کے بدلے میں وصول کیا گیا ہو۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اگر خود اس کی ضرورت ہو تو بقدر ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ قال شیخ الإسلام ابن تیمیة: "فإن تابت ------ وكانوا فقراء جاز أن يصرف إليهم من هذا المال قدر حاجتهم ، فإن كان يقدر يتجر أو يعمل صنعة كالنسيج والغزل ، أعطي ما يكون له رأس مال[42]. اگر یہ توبہ کر لیں اور خود مستحق ہوں تو بقدر حاجت اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر تجارت کر سکتے ہوں تو ان کو بقدر راس مال تجارت بھی دیا جا سکتا ہے البتہ جس مال حرام کا اصل مالک معلوم نہ ہو اور نہ ہی اسکے ورثاء معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس مال کا کیا جائے اس کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس مال حرام سے کسی بھی طرح کا انتفاع جائز نہیں ہے لہذا یہ مال فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا یا مصالح مسلمین میں صرف کرنا یا بیت المال میں جمع کرانا کچھ بھی جائز نہیں ہے بلکہ اس مال حرام کو ضائع اور تلف کر دینا چاہیے اور یہی اس مال کا صحیح مصرف ہے: ان مصير المال الحرام الذى لا يعرف له مالك هو الاتلاف او الاحراق او بين الحجازة ،فلا يجوز الانتفاع بمثل هذا المال او دفعه لمن ينتفع به من الفقراء والمساكين واصحاب الحاجة ،وكذٰلك لا يجوز صرفه فى مصالح المسلمين العامة او جعله فى بيت المال المسلمين[43]. وہ مال حرام جس کا مالک معلوم نہ ہو اس کو تلف کیا جائے یا اس کو جلا دیا جائے یا پتھروں سے ضائع کیا جائے۔ اس لئے

کہ اس طرح کے مال سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے اسی طرح یہ مال فقراء یا مساکین کو بھی دینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو مسلمانوں کے مصالح میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ اور نہ ہی اس مال کو بیت المال کا حصہ بنانا جائز ہے۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ جس مال حرام کا اصل مالک یا اسکے ورثاء معلوم نہ ہوں تو اس صورت میں اس مال کو ضائع کرنا بالکل جائز نہیں ہے بلکہ اس مال کو مصارف پر خرچ کرنا واجب ہے. اور یہی قول راجح ہے. یہاں تک کہ اگر یہ شخص خود مستحق ہے تو اپنی ذات پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ صاحب اختیار فرماتے ہیں الملك الخبيث سبيله التصدق به، ولو صرفه في حاجة نفسه جاز، ثم ان كان غنيا تصدق بمثله وان كان فقيرا لا يتصدق[44] **ملک خبیث کا صحیح مصرف (اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو) تو صدقہ کرنا ہے۔** اور خود استعمال کر لیا تو مالدار ہونے کی صورت میں اتنا مال صدقہ کر دے اور اگر خود مستحق اور فقیر ہے تو پھر صدقہ نہ کرے۔ یہی رائے علامہ ابن قیمؒ کی بھی ہے[45]۔ علامہ شامیؒ بھی اسی رائے پر صاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه[46] حرام کمائی کا مصرف صدقہ کرنا ہے جب کہ اسکو اپنے اصل مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو۔

بہر حال اس بات پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ مال حرام کا اگر مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو اس کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ گویا مال حرام بھی ان اموال میں شامل ہے جن کے واجب التصدق ہونے پر فقہاء کرام متفق ہیں۔ جیسا کہ زکوۃ، نذر، کفارات وغیرہ جن کے حوالے سے تملیک کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔ اب یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا اس قسم کے مال میں بھی تملیک کا وہی حکم ہے جو دوسرے صدقات واجبہ ہے یا اس کا حکم مختلف ہے؟

مال حرام مسئلہ تملیک

زکوۃ، کفارات (بجز فقراء کو کھانا کھلانے کے استثناء کے) اور نذور کے حوالے سے تو یہ بات جمہور کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ تملیک کے بغیر مکلف کا ذمہ فارغ نہیں ہو گا. البتہ حرام مال کے حوالے سے کیا فقہاء کی یہی رائے کہ ان اس میں بھی تملیک ضروری ہے؟ یا اس قسم کے مال کو تملیک کے بغیر بھی صدقہ اور خیراتی کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس مال کو بھی واجب التصدق ہونے کے ساتھ ساتھ صدقات واجبہ کی فہرست میں داخل کیا جائے تو اس صورت میں تملیک بھی ضروری ہو گی اور صرف فقراء اور مساکین ہی اس کا مصرف ہوں گے اور دوسرے جہات الخیر اور رفاہ عامہ میں اس کو خرچ کرنا ناجائز ہو گا۔ اور اگر اس کا حکم تملیک کے لحاظ سے صدقات واجبہ کا نہ ہو بلکہ فقط واجب التصدق ہونے کی حد تک ہی دونوں مشترک ہوں تو اس صورت میں اس قسم کے اموال کو رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرنا ممکن ہو گا جیسے پل، ہسپتال وغیرہ بنانا اور اس صورت میں اس سے استفادہ کرنے میں ضمنا اغنیاء بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اس مال کو ان مصارف میں بھی خرچ کیا سکتا ہے جہاں تملیک کی وجہ سے دوسرے صدقات واجبہ اور مال زکوۃ خرچ نہیں کیا سکتا۔ اس حوالے سے فقہاء کی مختلف عبارات ملتی ہیں۔ ایسی عبارات موجود ہیں کہ جن میں مال حرام وغیرہ کو ایسے مصارف پر بھی خرچ کرنے کو جائز کہا گیا ہے کہ جس میں تملیک کا تصور نہیں پایا جاتا ہے. جیسے سڑکیں، پل بنوانا اور رفاہ عامہ کے کاموں میں استعمال کرنے کو جائز کہا گیا ہے۔ قال النووي قال الغزالي إذا كان معه مال حرام وأراد التوبة ـــــــــــــ وإن كان لمالك لا يعرفه ويئس من معرفته فينبغي أن يصرفه في مصالح المسلمين العامة، كالقناطر ــــــــــ ومصالح طريق مكة ، ونحو ذلك مما يشترك المسلمون فيه، وإلا فيتصدق به على فقير أو

فقراء.[47] علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اگر اصل مالک تک مال پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس مال کو مسلمانوں کے مصالح اجتماعیہ میں خرچ کیا جائے جیسے پل بنانا، وغیرہ کہ جس سے فائدہ اٹھانے میں تمام مسلمان شریک ہوں۔ یا پھر فقراء پر صدقہ کیا جائے۔ علامہ نوویؒ کی رائے میں اس کو مصالح عامہ میں خرچ کرنے کی اجازت ہے بلکہ اس عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفاد عامہ میں اس طرح کے اموال کا ستعمال ان کے ہاں زیادہ اولی ہے بنسبت کسی فقیر کو دینے کے، کیونکہ انہوں نے مصالح عامہ کا تذکرہ پہلے کیا اس کے بعد فقراء کا تذکرہ کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ مال واجب التصدق تو ہے لیکن اس میں صدقات واجبہ کی تملیک والی شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں۔

فقہاء مالکیہ سے اس حوالے سے دو اقوال مروی ہیں، ایک قول میں ان کے ہاں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کو بیت المال میں دیا جائے ان کے ہاں یہ مال فئی نہیں ہے کہ اس کو مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے بلکہ اس کو ان مدات میں خرچ کیا جائے گا جن کے بارے میں ایت کریمہ، انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ میں ذکر ہوا ہے[48]۔ تاہم متاخرین مالکیہ کے ہاں اس بات کی روایت ملتی ہے کہ اس کو اجتماعی مصالح میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے[49]۔

حضرات شوافع کی رائے

حضرات شوافع رحمہم اللہ کے ہاں بھی اس مال کو مصالح مسلمین اور اجتماعی مفاد والے امور میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے[50]۔

حضرات احناف رحمہم اللہ کی رائے

حضرات حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں اس طرح کے اموال کو صدقہ کرنے کے حوالے سے عام تاثر یہ ہے کہ صدقات واجبہ کے لئے جتنی شرائط ضروری ہیں وہ اس مال کے خرچ کرنے کے حوالے سے بھی پائی جانی ضروری ہیں۔ اور اس کی وجہ بظاہر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ اس طرح کے اموال کو واجب التصدق کہا جاتا ہے، اس لئے ان کے لئے صدقات واجبہ والی شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے، دوسری یہ کہ اس طرح کے اموال کے لئے فقہاء کی عبارات میں صدقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے عمومی طور پر صدقات واجبہ مراد ہوتے ہیں جیسے کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: وان لم یجد المدیون ولا وارثه صاحب الدین ولا وارثه فتقصدق المدیون او وارثه عن صاحبه برء فی الاخرة[51] یہاں پر تصدق کا لفظ استعمال کیا گیاہے۔ اسی طرح مال حرام کے حکم کو لقطہ کے حکم کی طرح کہا گیاہے۔ اور لقطہ میں جس طرح فقیر کی شرط لگائی جاتی ہے اسی طرح مال حرام میں بھی تملیک الفقیر کی شرب ہونی چاہیئے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: عن الامام محمد ؒ انه اذا کان مهدی مکرها فی الاهداء ینبغی ان یرد الهدیه علی المهدی ان قدر علیه فان لم یقدر علیه یضعها فی بیت المال ویکتبا علیها قصته وکان حکمه حکم اللقطه[52]

اور لقطہ کے حکم کے بارے میں علمائے احناف کے ہاں عمومی طور پر فقیر کی شرط لگائی جاتی ہے اس لئے مال حرام کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ البتہ بعض ایسی عبارات کہ ایسا مال ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مال واجب التصدق تو ہے لیکن اس کے خرچ کرنے میں صدقات واجبہ کی تملیک والی شرط ضروری نہیں ہے۔ جیسے مثلاً کتاب الخراج میں حضرت امام ابو یوسف L رقم طراز ہیں: ان المال الحرام الذی یکون التحلل منه بالرد الی مالکه کالمال الماخوذ سرقة او غصبا او المال الذی وجد مع اللصوص انه لا یتصدق به بل

يذهب الى بيت المال ليكون فيه امانه حتى يظهر صاحبه فيدفع اليه فان لم يظهر صاحبه صار من اموال بيت المال وكذلك كل مال وجد مع اللصوص والسراق مما ليس له طالب ولا مدع يصير من اموال بيت المال[53]۔ ایسا مال حرام جو جوچوروں ڈاکوؤں سے بر آمد کیا جائے اس کو صدقہ نہ کیا جائے بلکہ بیت المال میں دیا جائے تاکہ وہاں پر محفوظ رکھا جائے اور اس کے اصل مالک تک پہنچایا جائے۔ ہاں اگر اس کا مالک نہ ملے تو یہ اموال بیت المال میں مل جائے گا۔ اور یہی حکم ان تمام اموال کا ہے جن کا کوئی مدعی نہ ہو۔ اس عبارت سے اگرچہ مصالح مسلمین میں صراحت سے خرچ کرنے کا ذکر نہیں ہے تاہم اس بات کا تذکرہ ضرور ہے کہ ایسے اموال کو بیت المال کا حصہ بنا کر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ سے بھی اس طرح کے مال سے بناء مساجد اور دوسرے ایسے امور جو تقرب الی اللہ میں سے ہوں ان میں خرچ کرنے کی اجازت منقول ہے: الدفع الى الفقير غير قيد بل مثله فيما يظهر لو بنى من الحرام بعينه مسجدا و نحوه مما يرجوا به التقرب[54]۔ اب اس صورت میں واضح ہے کہ مساجد میں خرچ کرنے صورت میں تملیک کی شرط نہیں پائی جاسکتی یہ واضح دلیل ہے کہ اگرچہ اموال حرام واجب التصدق تو ہیں لیکن صدقات واجبہ کی طرح ان میں تملیک فقیر کی شرط لازم نہیں۔

اسی طرح عمومی طور جیسا کہا جاتا ہے کہ اس کا حکم لقطہ کا حکم ہے تو اس پر فقہاء کے اقوال موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس میں فقیر کی تملیک کا شرط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے مال کو مصالح عامہ اور عمومی فوائد کے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں: انه يصرف الى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطير والرباطات والثغور والمساجد وما اشبه ذالك[55] اس قسم کے اموال کو مریضوں، گرے پڑے نابالغ بچوں کی رہن سہن، پلوں، قلعوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر میں خرچ کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ وضاحت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ لقطہ اور جو بھی لقطہ کے حکم میں ہو اس کو مصالح عامہ میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اس میں تملیک فقیر ضروری نہیں۔ ورنہ اس کو پلوں اور قلعوں کی تعمیر میں صرف کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔

اسی طرح پچھلے سطور میں مختلف فقہاء کی عبارات میں گذر چکا کہ مال حرام جس کے پاس ہے اگر وہ خود فقیر ہے تو اس مال کو خود استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح اپنے بیوی بچوں کو بھی دے سکتا۔ نیز جیسا کہ بعض عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مال دراصل اصل مالک کی طرف سے صدقہ ہے اور یہ صدقہ نافلہ ہے اس لئے یہ بنی ہاشم کو بھی دیا جاسکتا ہے، اور یہی قول علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا گیا ہے[56]۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مال حرام واجب التصدق تو ہے مگر اس کو صدقات واجبہ اور زکوۃ کی طرح من کل الوجوہ سمجھنا اور اس میں بھی تملیک فقیر کو شرط قرار نہیں دیا جاسکتا۔

خلاصہ بحث

اس تمام بحث اور فقہاء کی عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح ائمہ ثلاثہ کے ہاں مال حرام کے مصارف میں فقیر شامل تو ہے مگر دوسرے مصالح مثلاً پلوں، ہسپتالوں، یتیم خانوں کی تعمیر اور ایسے مصارف میں اس مال کو خرچ کرنا جہاں پر تملیک فقیر کی شرط پوری نہ ہوتی ہو۔ وہاں اس مال کو خرچ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح علمائے احناف کے ہاں محقق قول یہی ہے کہ ایسے اموال کو اجتمائی مصالح کے امور میں بھی بغیر تملیک فقیر کے خرچ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور ریاست اس طرح کے اموال کو اجتماعی مصالح کے امور میں خرچ کر سکتی ہے۔

مصادر ومراجع

---

[1] سعدی ابو حبیب، القاموس الفقہی, دارالفکر بیروت ط1988ا، ج1، ص344

[2] ابن منظور افریقی، محمد ابن مکرم، لسان العرب, دار صادر بیروت ج اا، ص635 اور ج13، ص223

[3] السرخسی، رضی الدین، المبسوط، ج11، ص79

[4] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار علیٰ الدر المختار، ج4، ص510

[5] الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، ناشر دار ابن عفان، ج2، ص32

[6] السیوطی، جلال الدین، الاشباہ والنظائر، ص327

[7] منصور ابن یونس البہوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع، ج3، ص152

[8] البقرۃ2:172

[9] النساء4:29

[10] البقرۃ2:188

[11] الزہیلی، وہبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج4، ص45

[12] ابن منظور افریقی، محمد ابن مکرم، لسان العرب، ج12، ص120، 121

[13] محمد سلیمان الأشقر، أبحاث فقہیۃ في قضایا الزکاۃ المعاصرۃ، باب أحکام المال الحرام وحکم إخراج زکاتہ، دار النفائس ج، 1، ص79

[14] القرافی، شہاب الدین احمد، الفروق، ج3، ص96

[15] تقي الدین، أحمد بن عبد الحلیم، الفتاوی الکبری، دار الکتب العلمیۃ، ج4، ص210

[16] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد، مجموع الفتاوی، ج28، ص305

[17] قاموس الفقہ ج4، ص222

[18] الاصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، ص480

[19] الجرجانی، عبد القاہر ابن عبد الرحمان، التعریفات، ص173

[20] ابن الہام، کمال الدین، فتح القدیر، ج2، ص373

[21] القرطبی، محمد ابن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ج8، ص168

[22] محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، سورۃ توبہ، رکوع8، آیت60

[23] الجصاص، ابو بکر احمد ابن علی، احکام القرآن، ج4، ص117

[24] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج3، ص406

[25] نجاح الحلبی، فقہ العبادات علی المذہب الحنفی، ج1، ص133

[26] موسوعہ فقہیہ، ج14 ص48

[27] الجصاص، ابو بکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج2، ص152

[28] محمد شفیع، معارف القرآن، سورۃ توبہ رکوع نمبر 8 آیۃ 60

[29] الشیرازی، ابو اسحاق، المھذب، ج1، ص231

[30] جماعۃ العلماء، الفتاوٰی الہندیہ، ج1، ص190

[31] الشوکانی، فتح القدیر، ج2، ص371

[32] الجصاص، ابو بکر احمد ابن علی، احکام القرآن، ج4، ص117

[33] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج3، ص406

[34] نجاح الحلبی، فقہ العبادات علی المذھب الحنفی، ج1، ص133

[35] القرطبی، محمد ابن احمد، الجامع لاحکام القرآن، القرطبی، ج3، ص366

[36] الزرکشی، القواعد، ج2، ص245

[37] الزرکشی، شرح مجموع المھذب، ج9، ص343

[38] شیخ نظام، الفتاوی الہندیہ، ج2، ص234

[39] ابن نجیم، زین الدین بن محمد، الاشباہ والنظائر، ص344

[40] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج5، ص104

[41] ابن قیم، محمد ابن ابی بکر، زاد المعاد،، ج5، ص778

[42] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج29، ص308

[43] الغزالی، ابو حامد، احیاء العلوم الدین ج2، ص115

[44] ابن مودود، الاختیار لتعلیل المختار، ج3، ص61

[45] ابن قیم، محمد ابن ابی بکر، زاد المعاد، ج5، ص778

[46] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج6، ص365

[47] النووی، یحیی ابن شرف، المجموع، ج9 ص332

[48] ابو القاسم، محمد اتواتی، مرجع المشکلات، ص106

[49] القرافی، الذخیرہ، احمد ابن ادریس، ج5، ص69

[50] الرملی، نھایۃ المحتاج، ج5، ص187

[51] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج6، ص443

[52] شیخ نظام، الفتاوی الہندیہ، ج2، ص234

[53] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص184

[54] الشامی، ابن عابدین، رد المحتار، ج2، ص292 بحوالہ احکام المال الحرام، ص306

[55] ایضا، ج2، ص238

[56] محمد تقی عثمانی، فتاوی عثمانی، ج3، ص134